ہر احمدی مسلمان کو بد دیانتی کے خلاف مستعد ہو جانا چاہئے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 20 ستمبر 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۵﴾ (الزمر: 54، 55)

پھر فرمایا:

یہ آیات کریمہ جو سورۃ الزمر کی نمبر ۵۴ اور نمبر ۵۵ آیتیں ہیں۔ (ان کا ترجمہ پیش کرنے سے پہلے میں گزشتہ خطبہ میں جو آیت تلاوت کی گئی تھی اس کے حوالے کی درستی کا اعلان کرنا چاہتا ہوں وہ سورۃ یونس کی آیت پچیس تھی لیکن لکھنے والے نے غلطی سے سورہ الرعد لکھ دیا تھا تو میں نے بھی جو لکھا تھا وہی پڑھ کے سنا دیا۔ آیت تو وہی تھی مگر صرف سورۃ کا حوالہ تھا آیت کا نمبر بھی وہی ہے یعنی پچیس نمبر مگر رعد کی بجائے اس کو یونس سمجھیں اب۔ یعنی جس نے بھی حوالہ دیکھنا ہو وہ یونس میں سے حوالہ دیکھے۔)

یہ دو آیتیں جو تلاوت کی ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا تو ان سے کہہ دے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اپنی

جانوں کے مفاد کے خلاف اعمال کئے ہیں یہ مراد ہے جانوں پر ظلم کیا ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو، تمام تر گناہوں کو بخشتا ہے، بخش سکتا ہے اگر وہ چاہے۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ اگر وہ چاہے، کہ الفاظ یہاں نہیں ہیں۔ مگر دوسری جگہ جہاں بھی یہ مضمون آیا ہے اگر وہ چاہے کہ الفاظ ہیں تو اس لئے وہ اس مضمون میں شامل ہیں اس لئے میں نے وہ الفاظ پڑھے ہیں مگر لفظی ترجمے میں نہیں ہیں۔ لفظی ترجمہ صرف اتنا ہوگا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام تر گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ یقیناً وہی ہے جو بہت زیادہ بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ اور اپنے رب کی طرف جھکو وَاَسْلِمُوْا اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ پیشتر اس کے کہ تمہارے پاس عذاب آجائے ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ پھر تم مدد نہیں دئے جاؤ گے۔

تو یہ جو آیت ہے خدا تعالیٰ کی غیر معمولی بخشش اور بے انتہا بخشش کا مضمون پیش کر رہی ہے اس کے ساتھ ایک تنبیہ بھی فرما رہی ہے۔ اگر انسان اس خیال سے کہ خدا ہر گناہ بخش سکتا ہے بخش دے گا، گناہوں میں دلیر ہوتا رہے اور آگے بڑھتا رہے تو پھر عین ممکن ہے کہ اس کی موت ایسے وقت میں آئے جبکہ خدا کی ناراضگی کا اظہار اس دنیا میں اس سے شروع ہو چکا ہو اور جب پکڑ کا وقت آجائے پھر کوئی بخشش نہیں ہے۔ تبھی فرعون نے جب آخری ڈوبتے ہوئے ایمان کا اقرار کیا، موسیٰ کے اور ہارون کے خدا پر ایمان لانے کا اقرار کیا اور بخشش مانگی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ آٰلْئٰنَ یعنی بچانے کا ذکر کیا کہ مجھے بچالے اب کون سا وقت ہے اور پھر پکڑ آ گئی۔

پس یاد رکھنے کی بات ہے کہ ان دو انتہاؤں کے درمیان جو راہ اختیار کرنی ہے یہی دراصل وہ راہ ہے جسے پل صراط کہا جاتا ہے۔ ایک طرف یہ کامل یقین کہ خدا گناہ بخش سکتا ہے انسان کو مایوسی سے بچاتا ہے جو اپنی ذات میں ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ جب بھی نصیحت آموز خطبات دیتا ہوں تو بعض احمدیوں کی طرف سے دنیا کے مختلف ممالک سے بڑی سخت پریشانی کا اظہار آتا ہے کہ ہم تو فلاں چیز میں ڈوبے ہوئے ہیں ہم نے اب کہاں بخشے جانا ہے یعنی توجہ پیدا ہوتی ہے گناہوں سے توبہ کی مگر سمجھتے ہیں کہ اب ہمارا بخشش کا زمانہ گزر چکا ہے۔ یہ اپنی ذات میں ایک کفر ہے اور خدا تعالیٰ

کی عظمت شان کے خلاف ایک گستاخانہ مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بدظنی کے طور پر بیان فرماتے ہیں کہ اپنے رب پر بدظنی نہ کرو۔ بندوں پر بدظنی بھی بڑا گناہ ہے مگر رب پر بدظنی بہت ہی بڑا گناہ ہے اور یہ جو بدظنی ہے یہ گناہوں سے باز آنے میں مدد نہیں دیتی بلکہ گناہوں میں آگے بڑھا دیتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو عبارت ہے میں نے اس مضمون کی تائید میں رکھی ہے وہ میں پڑھوں گا تو آپ کو سمجھ آجائے گی کہ اگر انسان مایوس ہو جائے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا پھر اور گناہ کرتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی آتا ہے کہ وہ شخص جس نے ننانوے قتل کئے تھے اور وہ جگہ جگہ پھرتا تھا یہ سوال لئے ہوئے کہ کیا میں بخشا جا سکتا ہوں اور کیسے بخشا جا سکتا ہوں تو ہر طرف سے جب مایوسی ہوئی اور ایک بہت بڑے بزرگ جس پر اس کی توقع تھی کہ وہ تو ضرور میری صحیح راہنمائی کریں گے انہوں نے کہا کہ نہیں کوئی رستہ نہیں ہے۔ اس نے کہا پھر جہاں ننانوے وہاں سو بھی ہو جائیں پورے تو اسی کو قتل کر دیا۔ تو اب یہ دیکھیں کہ بعض دفعہ مایوسی گناہ کو بڑھانے میں مددگار ہو جاتی ہے اور انسان کو زیادہ جرأت بخش دیتی ہے کہ اب جو کچھ ہو چکا، ہو چکا پھر سب کچھ صحیح ہے۔

اور وہ لوگ جن کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ (البقرہ:82) کہ ایسا شخص جس کو اس کی برائی نے گھیرے میں لے لیا ہو وہ ایسے ہی لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اب تو ہم گھیرے میں آچکے ہیں اب بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے تو پھر پڑے رہو اسی میں آگے بڑھتے رہو اور اکثر گناہوں میں جو شدت اختیار ہوتی ہے وہ خدا کے فضل سے مایوسی کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔ پس یہ آیت گناہوں پر انگیخت کے لئے نہیں بلکہ گناہوں سے بچنے کے لئے امید پیدا کرنے کے لئے ہے۔ ابھی بھی وقت ہے تم واپس لوٹ سکتے ہو، ابھی بھی وقت ہے تم واپس لوٹ سکتے ہو، ابھی بھی وقت ہے تم واپس لوٹ سکتے ہو کوئی تمہارے ایسے گناہ نہیں ہیں جن کو خدا بخش نہ سکتا ہو۔

پس یہ بہت ہی عظیم اظہار ہے اللہ تعالیٰ کی بخشش کا جو گنہگاروں کے لئے سب سے بڑا سہارا ہے۔ اگر وہ اس سہارے کا مضمون سمجھیں اگر واپسی کی تلاش شروع کریں اگر ان کے نفس کی پشیمانی بڑھنے لگے اگر وہ توبہ کی طرف مائل ہوں تو یہ آیت گنہگاروں کا سب سے بڑا سہارا ہے لیکن اگر یہ کہیں کہ خدا نے تو بخشنا ہی نہیں اب تو ہم بہت آگے گزر گئے ہیں اور اس کے نتیجہ میں گناہوں میں

آگے بڑھیں تو پھر ان کے لئے اس آیت کا اگلا حصہ ہے جو اطلاق پاتا ہے۔ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہے تو بہت بخشنے والا لیکن اللہ کی طرف توبہ کرتے ہوئے جھک جاؤ اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دو۔ اَسْلِمُوْا میں فرمانبرداری بھی ہے اور سپردگی بھی ہے۔ اس کے سپرد کر دو اپنے آپ کو، اس پر پھینک دو کہ اب تو تو نے ہی کچھ کرنا ہے، کرنا ہے ہم سے تو یہ داغ مٹتے نہیں اور اَسْلِمُوْا میں پھر دعا کا مضمون داخل ہو جاتا ہے۔ جب آپ کسی کے سپرد اپنے آپ کو کر دیں تمام توکل اس پر کریں تو ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اب تو تیرے سوا کوئی سہارا رہا ہی نہیں ہم نے اپنا سارا وجود تیرے حوالے کر دیا اس لئے تو مددگار ہو جا۔ پس اَسْلِمُوْا کے نتیجے میں جو عاجزانہ دعائیں اٹھتی ہیں وہ بخشش کے لئے اور گناہوں سے بچنے کے لئے بہت ہی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

فرمایا یہ کرلو مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ اس وقت سے پہلے کہ عذاب آجائے۔ جب عذاب آجائے گا تو پھر بچ نکلنے کا، پھر بخشش کا کوئی وقت باقی نہیں رہے گا۔ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ پھر تم کسی طرف سے مدد نہ دیئے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ پھر اللہ تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ جب پکڑ کا وقت آئے گا تو پھر کوئی بھی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔ جب اللہ مددگار نہیں ہوگا تو کسی اور کو بھی توفیق نہیں ہوگی کہ وہ تمہاری مدد کر سکے اور تُنْصَرُوْنَ میں وہ دعا والا مضمون بھی ظاہر ہو گیا جس کی طرف میں نے اَسْلِمُوْا کے حوالے سے اشارہ کیا تھا۔ اَسْلِمُوْا میں جو سپردگی ہے اس کے ساتھ دعا کا ایک لازمی تعلق ہے اور تُنْصَرُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو گناہوں سے توبہ کی توفیق ملے گی اللہ کی مدد کے بغیر نہیں مل سکتی۔ اگر عذاب سے پہلے پہلے توبہ کرو گے تو اللہ کی مدد تمہیں نصیب ہوگی اور وہ مدد ہی ہے جس کی وجہ سے تم گناہوں سے نجات پا سکتے ہو۔ اگر وہ مدد نہ آئی اور تم نے مدد نہ مانگی یعنی تم نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی اور پکڑ کا وقت آ گیا تو پھر نہ خدا کی طرف سے کوئی مدد اترے گی نہ دنیا کا کوئی بچانے والا تمہیں بچا سکے گا۔ اس لئے بہت ہی اہم اور گہرا مضمون ہے اور جو نفس کی تربیت کا مسئلہ ہے یہ ایک نہایت سنگین مسئلہ ہے۔ شاذ ہیں جو معصوم ہیں یعنی انبیاء علیہم السلام باقی سب کسی نہ کسی پہلو سے غیر محفوظ رہتے ہیں اور جب تک دعاؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سہارے تلاش نہ کریں اور اس کی پناہ گاہ کی طرف ان کی نظر نہ رہے اور جب وہ یہ کہیں اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم تو اس کی پناہ گاہ پر نظر ہو پھر دعا

کریں ورنہ منہ سے کی ہوئی دعا کے کوئی بھی معنے نہیں بنتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں تمہارے منہ کی باتوں سے خدا خوش نہیں ہوسکتا، کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تو میں نے جو پناہ گاہ پر نظر کا محاورہ استعمال کیا ہے یہ ایک اہم بات ہے جواب سمجھانا چاہتا ہوں۔ اللہ پناہ گاہ ہے اور جب آپ کہتے ہیں کہ ہم شیطان سے تیری پناہ میں آتے ہیں اور تیری پناہ مانگتے ہیں تو ہر گناہ کے مقابل پر ایک پناہ گاہ ہوا کرتی ہے اور ہر گنہگار جو اپنے گناہ کو جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس گناہ کی پناہ گاہ کیا ہے۔ پس جب وہ اس پناہ گاہ پر نظر رکھے گا، کسی خاص گناہ کے حوالے سے جانے گا کہ اس حفاظت میں آؤں گا تو میں بچوں گا تو اس کی دعا معنی خیز ہو جائے گی وہ صرف منہ کی باتیں نہیں رہیں گی۔ پھر جب وہ کہے گا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم تو شیطان رجیم کے ان خطرات سے وہ پناہ میں آئے گا جو اس کے ذہن میں حاضر ہوں گے۔ وہ جانتا ہوگا کہ ان سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ کی یہ رحمت نازل ہو تو پھر میں ان سے بچ سکتا ہوں اور اس کے نتیجہ میں ایک اور مضمون بھی انسان کے ذہن پر روشن ہوتا ہے جو قرآن کریم کی ان ہدایات سے تعلق رکھتا ہے جو ہر گناہ سے بچنے کے تعلق میں ہیں۔

پس دعا کے ساتھ انسان کو عرفان نصیب ہونا چاہئے۔ دعا کے ساتھ انسان کا ذہن زیادہ روشن ہونا چاہئے اور وہ روشنی اس طرح ملتی ہے آپ کہتے ہیں اے خدا فلاں گناہ ہے میں تو گھیرے میں آ گیا مجھے معاف کر دے مجھے بچالے لیکن پھر کیسے خدا بچایا کرتا ہے ان گناہوں سے۔ قرآن کریم میں جو انبیاءؑ کے اور ان کی قوموں کے حالات کے ذکر ہیں ان گنہگاروں کے اور ان کے بچنے کے حالات مذکور ہیں وہ ساری معین پناہ گاہیں ہیں جن میں آپ پناہ ڈھونڈ سکتے ہیں۔ دیکھیں حضرت یوسفؑ نے بھی ایک دعا کی تھی اور عجیب دعا ہے کہ جیل خانے کو پناہ گاہ سمجھا اور اے خدا میں ان کے شر سے بچنے کی تیری مدد کے بغیر طاقت نہیں رکھتا۔ جو میرا ذہن کام کرتا ہے وہ تو یہ ہے کہ اگر جیل خانے میں جانا پڑے اس بدی سے بچنے کے لئے تو میں تجھ سے یہی مانگتا ہوں۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں کا مکر اتنا شدید تھا اور ان کی جو دنیاوی کشش تھی وہ اتنی فتنہ پرداز تھی کہ ایک نبی نے جب دعا مانگی ہے تو پناہ گاہ کا تصور سامنے رکھ کر دعا مانگی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے تجربہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ ان شیطانوں سے بچ نکلنے کی نہ مجھ میں طاقت ہے اگر خدا مدد نہ کرے اور نہ ان حالات میں مجھے کوئی پناہ گاہ نظر آ رہی ہے سوائے

اس کے کہ میں جیل میں چلا جاؤں۔ پس جیل سے بچنے کی دعا نہیں مانگی تھی جب ان کے فتنے سے بچنے کی دعا مانگی کہ خدا ہمیں بچالے۔ تو بعض لوگ اس کے بعد جب پڑھتے ہیں کہ اس کے باوجود جیل میں چلے گئے اور فتنہ ناکام نہ ہوا تو وہ فتنہ جیل بھیجنے کا فتنہ نہیں تھا، فتنہ جیل سے باہر رکھ کر گناہوں میں قید کرنے کا فتنہ تھا۔ اس قید پر جو گناہوں کی قید تھی آپ نے مادی قید کو ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کی تائید فرمادی۔ اگر خدا تعالیٰ سمجھتا کہ اس نبی کو علم نہیں ہے یہ دعا اس کو نہیں کرنی چاہئے تھی تو اللہ تعالیٰ دوسرا مضمون سمجھا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ہاں جیل ہی میں جانا بہتر ہے لیکن اس پناہ گاہ کے ساتھ جو اور بہت سی رحمتیں وابستہ تھیں وہ ساری عطا کر دیں۔

اس لئے جب میں پناہ گاہ کی بات کرتا ہوں کہ اس کو معین کرو تو اس لحاظ سے کہ وہ ایک حقیقی دعا بنے گی پھر معین ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ جان لے گا کہ تمہارے دل میں کتنا خلوص ہے۔ کس حد تک تم ان گناہوں سے بچنے کے خواہاں ہو۔ پھر جو مشکل قربانیاں دکھائی دیتی ہیں نہ صرف یہ کہ وہ آسان ہو جائیں گی بلکہ ان کے اندر بے شمار رحمتیں اور برکتیں رکھ دی جائیں گی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ یہ کہہ سکتا تھا کہ جیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں میں تمہیں ویسے بچالوں گا۔ مگر جیل کی قربانی کو قبول کرنے میں دیکھیں کتنی لامتناہی حکمتیں تھیں۔ ایک مثلاً یہ کہ سات سال تک جس قحط کے عذاب میں مصر نے مبتلا ہونا تھا اور گرد و پیش کے تمام ممالک نے بھی بھوکے مرنا تھا۔ اس ابتلاء سے یوسف کی قید نے بچایا ہے، باہر رکھ کر اللہ تعالیٰ اگر بچانے کے سامان کرتا تو یہ واقعہ پیدا ہوا ہے جس میں جیل بہانہ بنی ہے۔ بادشاہ کی رؤیا کا حضرت یوسفؑ تک پہنچنا یہ ممکن نہیں تھا عام حالات میں کون عزیز مصر کے پاس بادشاہ کا یہ پیغام لے کے جاتا کہ اس رؤیا کی تعبیر بتاؤ۔

پس خدا تعالیٰ کی جو حکمتیں ہیں وہ بہت ہی عظیم اور حیرت انگیز ہیں انسانی عقل کی رسائی وہاں ہو ہی نہیں سکتی جب تک ان حکمتوں کو ہم رونما ہوتے نہ دیکھ لیں۔ پس دیکھو کتنا بڑا انعام ہوا ہے یوسفؑ کی قربانی کا، اس دعا کا، وہ نہایت ہی خوف ناک پناہ گاہ جو اپنے لئے مانگی ہے چونکہ اخلاص سے مانگی گئی تھی وہ دعا قبول کی گئی اور اس کے ساتھ ایسی برکتیں رکھ دی گئیں کہ وہ جیل کے چند تنہائی کے سال ان برکتوں کے مقابل کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے اور یہ جو حضرت یوسفؑ کی پناہ گاہ تھی غور کریں یہ ساری دنیا کی پناہ گاہ بن گئی۔ دور دور سے جو پناہ ڈھونڈتے ہوئے آتے تھے وہ حضرت

یوسفؑ کی اس پناہ گاہ کی برکت سے آتے تھے، اس کے صدقے سے آتے تھے اور اپنے بھائی آئے اور اپنے باپ سے ملاقات ہوئی یہ سارے جو خدا تعالیٰ نے انعامات وابستہ فرمائے یہ اسی گناہ سے بچنے کی پناہ گاہ تھی اس کے سوا اور کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بچپن کی رؤیا پوری ہوئی، چاند ستاروں نے سجدہ کیا یعنی اطاعت میں آ گئے۔

یہ دیکھیں کتنے عظیم الشان فوائد ہیں جو ایک مخلصانہ دعا سے وابستہ ہوتے ہیں۔ بظاہر انسان سمجھتا ہے سرسری مطالعہ کرنے والا کہ اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی یوسفؑ کو اس مصیبت میں ڈالتا وہیں دعا قبول کر لیتا۔ مگر چونکہ برکتیں بہت تھیں اور یہ بتانا تھا کہ خدا کی خاطر جو سختی کی پناہ گاہ ڈھونڈتے ہو وہ لوگوں کے لئے آرام کی پناہ گاہ بنے گی اور کثرت سے لاکھوں لوگ اور بڑی بڑی قومیں اس سے فائدہ اٹھائیں گی اور لمبے عرصے تک اس کی برکتیں پھیلتی چلی جائیں گی۔ پھر حضرت یوسفؑ کے بھائی آئے وہاں ان کے ساتھ رہے اس کے نتیجہ میں حضرت یوسفؑ کی قوم کو پھر اس بادشاہ، وہ بادشاہ فرعون نہیں تھا بلکہ باہر کے آئے ہوئے بادشاہ تھے، ان کے علاقے میں دیر تک بنی اسرائیل کو وہ سارے حقوق ملے اس سے پہلے جن سے وہ محروم تھے اور بنی اسرائیل پھر مصر میں جو آباد ہوئے ہیں تو اسی کی برکت سے آباد ہوئے ہیں۔

اور جب اس قوم نے خدا کو بھلا دیا جو حضرت یوسفؑ کی دعا اور قربانی کے نتیجہ میں اس پناہ گاہ تک پہنچی تھی تو وہ پناہ گاہ نہ رہی بلکہ اس پناہ گاہ سے لوگ پناہیں مانگنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ اور آپ کے ساتھیوں نے دعائیں کیں کہ اے خدا ہمیں اس پناہ گاہ سے نجات بخش، ہمیں نکال دے اس سے اور ایک وہ بھی ہے جب اس پناہ گاہ سے رہائی نصیب ہوئی ہے جس کو لوگوں کے اپنے اعمال نے گندا کر دیا تھا۔ تو قرآن کریم نے جو قصص بیان فرمائے ہیں وہ سلسلہ بہ سلسلہ گہری حکمتوں کے راز رکھتے ہیں اور وہ عقلوں کو روشن کرتے ہیں اور انسانی، مذہبی تاریخ کو سمجھنے کی توفیق عطا کرتے ہیں تو ان باتوں پر غور کرو۔ میں یہ مضمون اس لئے کھول رہا ہوں کہ میں نے عمداً ایک لفظ استعمال کیا آپ کو سمجھانے کے لئے اگر میں یہ باتیں نہ بتاتا تو آپ کو سمجھ نہ آتی کہ کیوں کہہ رہا ہوں کہ پناہ گاہ کو معین کرو۔

تم جانتے ہو کہ بعض گناہوں سے بچنے کی کیا راہ ہے جو تم اختیار کر سکتے تھے اگر تم سوچتے، غور کرتے۔ تمہیں طاقت نہیں ہے وہ راہ تو ہے۔ ہر انسان جانتا ہے اگر یہ ہو جائے تو پھر میں

بچ سکتا ہوں تو اس کو معین کرو اور پھر خدا سے یہ دعا مانگو کہ اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس گناہ سے، اس کمزوری سے، اس لغزش سے، اس بدعادت سے، اس بدخلقی سے اور میں جانتا ہوں کہ میرے بس میں نہیں کہ میں یہ حل کرسکوں مگر میں جانتا ہوں کہ حل ہے کیا اور ہر انسان پر روشن ہوتا ہے وہ حل اور اگر نہ ہو تو پھر منجملہ یہ دعا کرسکتا ہے کہ تو بہتر جانتا ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ہر گناہ گار، ہر کمزور، ہر مصیبت میں پھنسا ہوا انسان اس کے حل سے واقف ضرور ہوتا ہے کہ اگر یہ ہو تو پھر میں بچ سکتا ہوں تو اسے معین رکھ کر پھر دعائیں کرے پھر اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا اور اس وقت سے پہلے جو اس کی پکڑ کا وقت ہے وہ ضرور آپ کو بچالے گا۔ یہ وعدہ جو ہے پکڑ کا وقت اس میں ایک ایسا لفظ ہے جو بڑا ہی ڈرانے والا لفظ ہے یا ڈرانے والا محاورہ ہے کیونکہ ہمیں پتا نہیں پکڑ کا وقت کب آجاتا ہے۔ اس میں دو پیغام ہیں ایک تو یہ کہ زیادہ دیر نہ لٹکاؤ بات کو کیونکہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے یہ فیصلہ کہ کب پکڑ کا وقت شروع ہوتا ہے، میں اس سے پہلے پہلے بچ جاؤں۔ بعض دفعہ لوگ دریاؤں میں بہتے ہیں جو بعد میں آبشاروں میں تبدیل ہو جایا کرتے ہیں ان کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ آگے آبشار آنے والی ہے اور جب وہ پانی تیز ہو جاتا ہے اور اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ وہ تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں اس وقت وہ وقت ہاتھ سے گزر چکا ہوتا ہے پھر جتنے مرضی چپو ماریں ناممکن ہے کہ اس بہاؤ کی طاقت کے برخلاف چل سکیں۔ تو اچانک آتا ہے اور اس وقت تدبیر کا وقت گزر جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے ابتلاؤں اور آزمائشوں اور گناہوں کا حال ہے کہ جب وہ وقت آئے گا تو آپ کے بس میں نہیں ہوگا آپ کے علم میں نہیں ہوگا کہ کب کیسے آنا ہے اس لئے اس میں بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کی ضرورت ہے۔

اور اگر آپ کسی معین بچنے کی جگہ کا تصور باندھنے کے بعد پھر دعائیں کریں گے تو یہ سب سے بڑی ضمانت ہے اس بات کی کہ آپ اچانک پکڑے نہ جائیں گے کیونکہ جو خلوص سے دعائیں مانگنے والا ہے اللہ تعالیٰ کبھی اس کو اچانک نہیں پکڑتا اگر اس کی کمزوری لمبی ہو رہی ہے تو اس کو وہ مہلت دیتا ہے جس سے رفتہ رفتہ وہ کمزوری سے بچ نکلنے کی طاقت حاصل کر لیتا ہے یا جانتا ہے کہ کچھ نہ کچھ گناہوں کے کنارے بھرنے لگے ہیں۔ میں آگے نہیں بڑھ رہا گناہوں سے پیچھے ہٹ رہا ہوں، میں مزید شکنجے میں نہیں آرہا بلکہ کچھ نہ کچھ آزادی حاصل کر رہا ہوں۔ یہ کچھ نہ کچھ کا جو مضمون ہے یہ خدا کے

غضب سے بچانے کے لحاظ سے بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر فوری طور پر آپ نجات نہ بھی حاصل کر سکتے ہوں اگر کامل یقین کے ساتھ معین دعا کریں اور پھر اس کے لئے کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے مخلص کو پکڑا نہیں کرتا یا اس کی مہلت کو کاٹ نہیں دیا کرتا جو واقعۃً اس کی طرف بڑھ رہا ہو اور پھر وہ مضمون جو حضور اکرم ﷺ نے اسی مغفرت کے تعلق میں ہمیں سمجھایا ہے کہ پھر اگر وہ بدیوں سے بچ نہ بھی سکا ہو اگر بچ رہا ہو اور اس حالت میں بھی جان نکل جائے تب بھی خدا تعالیٰ کی بخشش اس پہ غالب آجائے گی۔

تو یہ وہ اللہ ہے یہ وہ ہمارا رب ہے جس سے ہمارا معاملہ ہے اور اس نے اس معاملے کی ساری راہیں کھول کھول کر، آسان کر کر کے ہمیں سمجھا دی ہیں۔ اگر اس کے باوجود ہم ان سے استفادہ نہ کریں تو بہت بڑا نقصان ہے اور بہت بڑی حماقت ہے۔ پس ایک یہ بات ہے جس کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور دوسرے اس کے اور بھی پہلو ہیں جن پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روشنی ڈالی ہے۔ اب میں آپؑ کے الفاظ آپ کے سامنے رکھتا ہوں تا کہ آپ کو یہ سمجھ آئے کہ اس جدوجہد میں جو بہت ہی بڑا جہاد ہے نفس کا اس میں ہمیں کیا کچھ کرنا چاہئے، کن چیزوں سے بچنا چاہئے کیونکہ ہمارے سامنے ایک عالمی جہاد درپیش ہے۔ وہی ہے جو ہمیشہ مجھے پریشان رکھتا ہے کہ اتنی بڑی قوموں کو ہم نے دعوتیں دے دی ہیں اور خدا تعالیٰ بھی اس کثرت سے ہمیں وہ قومیں عطا فرما رہا ہے کہ اب ایک فوج کا سوال نہیں فوج در فوج، Armies پر Armies آرہی ہیں اور ان کو سنبھالنا ہے۔ ان کو سنبھالیں گے کیسے اگر اپنی کمزوریوں کا یہ حال ہو کہ ان سے تو ہم نپٹ نہیں سکتے ان سے نجات نہیں حاصل کر سکتے اگلوں کو کیسے بچائیں گے۔

یہ وہ مضمون ہے جس کے پیش نظر میں نے یہ تمہید باندھی اور اب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالوں سے آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہم پر کیا کیا ذمہ داریاں ہیں۔ ہمیں کیا کچھ کرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''کشتی نوح'' میں جو زبان استعمال فرمائی ہے یعنی جو محاورے استعمال فرمائے ہیں ان کو پڑھ کے تو لگتا ہے کہ کوئی بچ ہی نہیں سکتا کیونکہ آپؑ نے دوسرے کنارے بتائے ہیں بخشش والا وہ بہت وسیع ہے لیکن جہاں پہنچ کر انسان گر جاتا ہے وہ بھی تو ایک کنارہ ہے۔ اس کنارے پر کھڑا ہو کر کوئی آدمی بتا رہا ہو کہ یہ دیکھو اس قسم کی کھڈ ہے، یہاں پہنچے تو تم گئے، یہ قدم نہ اٹھا بیٹھنا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان احتمالات کے پیش نظر کہ کوئی

بھی آپؑ کی جماعت میں داخل ہونے والا ضائع نہ ہو جائے، کوئی بھی اس Precipice پر جو چٹان کا کنارہ ہے قدم نہ رکھے جہاں سے گرنے کے بعد پھر واپسی کا کوئی رستہ نہیں رہا کرتا۔

تو فرماتے ہیں یہ بھی میری جماعت میں نہیں ہے، وہ بھی میری جماعت میں نہیں ہے، وہ بھی میری جماعت میں نہیں ہے اور جماعت میں نہ ہونے والے کی جو کمزوریاں ظاہر کی ہیں ان کو پڑھتے ہوئے بعض دوست کہتے ہیں مجھ سے ذکر بھی کیا کہ ہماری تو جان نکل جاتی ہے ڈر کے مارے جب ''کشتی نوح'' اٹھاتے ہیں، پڑھی ہی نہیں جاتی کیونکہ ہر بات پہ لگتا ہے کہ ہم جماعت سے نکل گئے۔ کوئی بھی ایسی ہدایت نہیں ہے جس پہ ہم یقین سے کہہ سکیں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں داخل ہیں۔ تو یاد رکھیں وہاں جماعت میں داخل سے مراد وہ حصار ہے جس کے بعد خدا کی پناہ میں انسان آجاتا ہے اور ناممکن ہے کہ اس کو کوئی نقصان پہنچ سکے۔ پس جب یہ کہتے ہیں کہ میری جماعت میں نہیں ہے تو اس چار دیواری کی بات کر رہے ہیں جس کے متعلق اللہ نے خوش خبری دی تھی کہ جو تیری چار دیواری میں ہے اس کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ ناممکن ہے کہ اسے کوئی شیطان، شیطانی وسوسہ یا شیطانی کوششیں نقصان پہنچا سکیں تو ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جماعت کے اس دائرے سے بھی نکال کے پھینکا جا رہا ہے جو جدوجہد کا دائرہ ہے، جو اس دار کی طرف رخ کئے ہوئے ہے جس دار میں آخری پناہ مل جاتی ہے۔ چنانچہ یہ جو عبارت ہے یہ تشریح کی تائید میں ہے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

آپؑ فرماتے ہیں گناہوں کی بھی ایک حد ہوا کرتی ہے حد سے تجاوز نہ کرنا۔ اگر حدوں کے اندر رہو گے تو عیش وعشرت میں بھی بخشش ہو سکتی ہے۔ اگر ظلم کرتے ہو لیکن حد سے آگے نہیں بڑھتے، اگر غریبوں سے بے پرواہ ہو مگر کچھ پرواہ ضرور رکھتے ہو تو یہ وہ سارے رستے ہیں جن سے تمہیں مغفرت کی طرف راہ مل سکتی ہے اور میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ دوسری طرف حد سے تجاوز نہ کر جانا۔ پس یہ دوسرا کنارہ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں جس سے واپسی ممکن ہے۔ اگر آپ اس سے آگے نہیں جائیں گے تو واپسی ممکن ہوتی ہے اور اس آیت کا اطلاق اس مضمون پر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ بخش سکتا ہے، ہر چیز بخش بھی دیتا ہے لیکن ایسے حد سے نہ بڑھ جانا کہ پھر تم پر عذاب آجائے اور پھر عذاب آنے کے بعد تم

اس کی زد سے نکل نہ سکو۔ فرماتے ہیں:

''حد سے زیادہ عیاشی میں بسر کرنا لعنتی زندگی ہے''

(روحانی خزائن جلد 19 صفحہ: 71)

''حد سے زیادہ عیاشی'' یہ کیا چیز ہے حد سے زیادہ عیاشی۔ عیاشی کا ایک معنی تو ہے جو تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہوئے آرام کی راہیں تلاش کرنا اور ان میں ڈوبے رہنا اور مزید کی ہوس باقی رکھنا کہ جس حد تک بھی ممکن ہے ہم دنیا میں وہ سارے آرام اور عیش حاصل کر سکیں جن کی انسان تمنا کر سکتا ہے۔ اس آرزو کو لے کر جو صاحب حیثیت اور امیر لوگ آگے بڑھتے ہیں۔ پھر وہ آگے بڑھتے چلتے جاتے ہیں یہاں تک کہ پھر وہ دنیا کے مصائب اور مسائل اور تکلیفوں سے اس وقت تک ناواقف رہتے ہیں جب وہ تکلیفیں ان پر جب تک پڑ نہ جائیں اور آخر پڑ جایا کرتی ہیں۔ تو وہ عذاب والا مضمون جب تک ظاہر نہ ہو ان کو ہوش ہی نہیں آتی۔ وہ عیش وعشرت میں آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ تو وہ عیاشی حد سے زیادہ لعنتی ہے جو توازن نہیں رکھتی جہاں واپسی کے لئے انسان اپنی راہیں کھلی نہیں رکھتا، جب بگٹٹ آگے دوڑا چلا جاتا ہے اور پیچھے مڑ کے نہیں دیکھتا۔ تو فرماتے ہیں یہ عیاشی کی زندگی لعنتی زندگی ہے۔

''حد سے زیادہ بدخلق اور بے مہر ہونا لعنتی زندگی ہے''

اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کشتی نوح میں یہ فرمایا کہ جو اپنے بھائی سے ذرا سا بھی تکبر سے پیش آتا ہے ذرا سا بھی بدخلقی سے پیش آتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ یہ اس کی تشریح ہو رہی ہے۔ فرمایا ہے وہ جماعت جو میں کہہ رہا ہوں وہ پاکوں کی وہ جماعت ہے جس کی حفاظت کا خدا نے وعدہ کر دیا ہے۔ اگر تم میرے ہو جاؤ اور میرے گھر والے بن جاؤ تو اس کے لئے یہ یہ صفات تم میں ہونی چاہئیں۔ اب وہ فرما رہے ہیں کہ اگر تمہارے اندر یہ برائیاں اس حد تک قبضہ نہ کریں تو پھر مایوسی کی وجہ کوئی نہیں تم پھر بھی بچ سکتے ہو۔ تو بدخلقی کو پسند تو نہیں فرما رہے۔ حد سے زیادہ بدخلقی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی اپنی زبان، اپنی روش اور رویے پر کوئی اختیار بھی نہیں پھر رہتا۔ لوگ ایسے بدتمیز ہو جاتے ہیں بعض دفعہ کہ نہ اپنوں سے اخلاق سے پیش آتے ہیں، نہ غیروں سے پیش آتے ہیں، نہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل۔ اپنے بچوں سے بھی بدتمیز، اپنی

بیویوں سے بھی بدتمیز، اپنے رشتے داروں سے، اپنے بڑوں سے، اپنے چھوٹوں سے اور نا قابل برداشت وجود بن جاتے ہیں۔ فرمایا اگر یہ کرو گے تو پھر واپسی نہیں ہوگی۔

بدخلقی کے ساتھ اگر شرمندگی کا احساس رہے تو ایسی بدخلقی کو حد سے بڑھی ہوئی بدخلقی نہیں کہا جاسکتا۔ بعض بدخلق میں نے دیکھے ہیں بدخلقی سے پیش آتے ہیں اور بعد میں پھر رو رو کے معافیاں بھی مانگتے ہیں اور بعض جلدی، بعض ذرا دیر میں۔ تو بدخلقی خواہ کتنی ہی بڑھی ہوئی ہو اگر کچھ ندامت کا احساس زندہ ہے، کچھ حیا باقی ہو تو ایسی بدخلقی کو انسان حد سے بڑھی ہوئی بدخلقی نہیں کہہ سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعریف فرمادی کہ حد سے بڑھی ہوئی بدخلقی، آپؑ کے الفاظ ہیں ''حد سے زیادہ بدخلق اور بے مہر ہونا لعنتی زندگی ہے'' بے مہر ہونے سے مراد پھر یہ ہے کہ انسان کے دل میں جو خدا نے نرمی اور شفقت رکھی ہوتی ہے وہ اٹھ جاتی ہے اور پھر دل ایسا سخت ہو جاتا ہے کہ پھر اس پر خدا تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔

ایک شخص نے اپنی بیٹی کو زندہ درگور کیا جہالت کے زمانے میں اور بڑی دردناک کہانی ہے۔ کس طرح وہ بیٹی پوچھتی رہی کیا ہو گیا ہم مجھ پہ کیوں مٹی ڈال رہے ہو۔ اس نے توجہ نہیں دی۔ بار بار وہ یہ بیان کرتا رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہ آواز آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی مٹی میں دبتی چلی گئی۔ میں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ نظر اٹھا کے دیکھا تو آنحضرت ﷺ زار و قطار رو رہے تھے۔ آنسوؤں کا دریا تھا جو آنکھوں سے بہہ رہا تھا اور یہ فرما رہے تھے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا اور وہ بدنصیب کیسا بدنصیب تھا جس کی زندگی میں اس کی آخرت کا فیصلہ ہو گیا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہیں جو بے مہر ہو جائے، جس کے دل سے محبت مٹ جائے بنی نوع انسان سے یا خدا تعالیٰ کی مخلوق سے شفقت کو بھول چکا ہو اس کی پھر کوئی نجات نہیں ہے۔ وہ لعنتی زندگی ہے۔

''حد سے زیادہ خدا یا اس کے بندوں کی ہمدردی سے لاپرواہ ہونا لعنتی زندگی ہے۔۔۔''

یعنی خدا یاد ہی نہ رہے اور کروڑوں انسان ایسے ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں اور خدا اپنی عظمت اور اپنی ان صفات کے ساتھ یاد نہیں جو بندوں میں بھی عظمت پیدا کرتی ہے بندوں کی صفات بھی تبدیل کر دیتی ہے۔ اس لئے خدا یاد نہیں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ نہیں کہتے۔ ان میں بعض نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو مسجدوں کو آباد کئے ہوئے ہیں مگر خدا کو نہیں جانتے خدا سے ناواقف ہیں۔ اگر

یہ بات درست نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ آخری زمانے کا نقشہ کھینچتے ہوئے یہ کبھی نہ فرماتے:

”مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی“

(مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث)

کہ نمازیں خدا کے ذکر کی یقینی علامت نہیں ہیں۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ تم مسجدیں آباد کئے ہوئے ہو، نمازیں پڑھ رہے ہو اور واقعۃً تم ذکر الٰہی کر رہے ہو۔ اگر دنیا میں ذکر الٰہی کے آثار تم میں ظاہر نہیں ہوتے، دنیا کی زندگی تمہاری ویسی ہی رہتی ہے جیسی پہلے تھی جیسے مسجد میں داخل ہوئے ویسے مسجد سے باہر نکل آئے۔ تو فرمایا **مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی** آباد تو ہوں گی ان کی مسجدیں اور ہدایت سے بالکل خالی۔ کوئی ہدایت نہیں ہوگی ان میں۔

تو یہ بھی ایک بڑا اہم مضمون ہے کہ خدا یاد ہی نہ رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمار ہے ہیں ”حد سے زیادہ خدایا اس کے بندوں کی ہمدردی سے لاپرواہ ہونا“ خدا سے لاپراوہ ہونا تو میں نے آپ کو بتا دیا ہے جس کی مثال آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اس کے بندوں کی ہمدردی سے لاپرواہ ہونے کا حال یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہیں جن کو اپنے بچوں، اپنے قریبی رشتہ داروں کے سوا عامتہ الناس دنیا کی مصیبت اور تکلیف کا احساس ہی کوئی نہیں ہوتا۔ وہ بعض بڑے بڑے ریسٹورانٹس میں جہاں مشہور ہیں تکے اور کباب اور بعض جگہ وہ کہتے ہیں یہاں بریانی اچھی پک رہی ہے یہاں فلاں قورمہ اچھا بن رہا ہے وہاں گزر کے جارہے ہوتے ہیں اور بعض ایسی بستیوں سے گزر رہے ہوتے ہیں جہاں مفلوک الحال لوگ رہتے ہیں اور ان کے اگر بارش ہو جائے تب بچنے کے سامان نہیں، گرمی بڑھے تب بچنے کے سامان نہیں، سردی بڑھے تب بچنے کے سامان نہیں اور فاقہ کش بچے گلیوں میں گند میں کھیلتے ہیں کبھی احساس نہیں ہوتا کہ یہ بھی خدا کی مخلوق ہے ہم نے ان کے لئے کیا کیا ہے۔

اگر یہ احساس ہو تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں یعنی مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر احساس پیدا ہو کچھ نہ کچھ تو انسان ان کی فکر کرے۔ یہ تو نہ ہو کہ بالکل بے نیاز اور بے حس ہو کر ان لوگوں کے پاس سے گزر جاؤ اور تمہیں کبھی خیال ہی نہ آئے کہ تمہارے آرام و آسائش میں ان کا بھی کچھ حق ہے۔ تو فرمایا یہ ایک لعنتی زندگی ہے۔

’’۔۔۔ ہر ایک امیر خدا کے حقوق اور انسانوں کے حقوق سے ایسا ہی پوچھا جائے گا جیسا کہ ایک فقیر بلکہ اس سے زیادہ۔۔۔‘‘

ہر وہ شخص جس کو خدا نے دولت بخشی ہے جس کے حالات بہتر بنائے ہیں فرمایا وہ ویسا ہی خدا کے ہاں پوچھا جائے گا جیسے ایک فقیر جس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ کیونکہ فقیر کے پاس تو خرچ کرنے کا کچھ ہے ہی نہیں۔ اس پر یہ آزمائش آئی ہی نہیں کہ مصیبت زدگان اور غریبوں کو دیکھے اور اس کے باوجود اس کا دل سخت رہے مگر امیر پر تو یہ آزمائش روز آتی ہے اور روز بسا اوقات بعض امیر اس میں ناکام رہ جاتے ہیں۔ فرمایا پوچھا جائے گا یہ یاد رکھنا کہ تم میں سے ہر ایک پوچھا جائے گا۔ فرماتے ہیں:

’’۔۔۔ جو اس مختصر زندگی پر بھروسہ کر کے بکلی خدا سے منہ پھیر لیتا ہے اور خدا کے حرام کو ایسی بے باکی سے استعمال کرتا ہے کہ گویا وہ حرام اس کے لئے حلال ہے۔۔۔‘‘ (روحانی خزائن جلد 19 صفحہ: 71)

اب یہ وہ تعریف ہے گئے گزروں کی جواب ہو رہی ہے۔ جو کشتی نوح کی تعریف تھی وہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو ان کے مقام سمجھائے جا رہے تھے کہ اس مقام پر ذرا بھی تم نے ٹھوکر کھائی تو اعلیٰ درجے کے لوگوں میں شمار نہیں ہو سکو گے۔ اب یہاں بدترین لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ بدترین اگر اس حد تک ہو جاؤ گے جیسا کہ ذکر کیا جا رہا ہے تو پھر تمہاری واپسی نہیں۔ واپسی نہیں کا مضمون لعنت سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ لعنت کا مطلب ہے دوری اور لعنت جب کسی کو کہا جائے کہ لعنت ہے تو ایک تو جذبات کے غصے کے اظہار کے لئے آپ کہہ دیتے ہیں لعنت۔ مگر انبیاءؑ اور عارف باللہ لوگ لعنت کو ان معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔

لعنت کا وہ جو مذہبی مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ وہ خدا سے دور چلا گیا اور اتنا دور ہٹ گیا کہ اب وہ واپس نہیں آ سکتا اس کو ملعون کہتے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لعنتی زندگی کہہ کر یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ان چیزوں میں اگر تم حد سے تجاوز کر گئے تو یاد رکھنا خدا کی تقدیر میں تم لعنتی لکھے جاؤ گے اور پھر تمہاری واپسی کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔ فرمایا جو حلال اور حرام کا فرق نہیں کرتا اور حرام کو حلال کی طرح کھاتا ہے اور کتنے ہیں ہمارے مسلمان بھائی جو پاکستان میں ہیں یا باہر ہیں وہ جن کو خدا تعالیٰ نے سب سے زیادہ حلال اور حرام کھول کھول کے بتایا اور دیکھیں کس طرح حرام رزق

پر منہ مارتے ہیں کہ ادنیٰ سا بھی احساس نہیں ہوتا کہ حرام ہے۔ ذکر ہی کوئی نہیں اس بات کا۔ فرمایا یہ لعنتی زندگی ہے۔ اب جتنے مرضی ان کے خلاف اسلام کے فتوے دیئے جائیں وہ فتوے دینے والے خود بھی حرام پر ایسا منہ ماریں جیسے اپنی ماں کے دودھ پر بچہ منہ مارتا ہے تو وہ دوسروں کو لعنت سے کیسے بچا سکیں گے؟

اور رزق حلال کے متعلق اس لئے اور بھی زیادہ زور کی ضرورت ہے کہ یہ وہ فتنہ ہے جو نیکوں میں بھی داخل ہوتا ہے، نسبتاً آسانی سے داخل ہو جاتا ہے کیونکہ مالی منفعتوں سے اس بنا پر رک جانا کہ خدا کے منشاء کے خلاف ہیں یہ مشکل کام ہے اور کچھ نہ کچھ انسان نفس کے لئے بہانے ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ چنانچہ آج جو ہماری اردو کی سوال و جواب کی مجلس تھی اس میں ایک صاحب نے یہی سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ناممکن ہے کہ ہم تجارت کریں اور بے ایمانی نہ کریں یعنی تجارت کرنا اور حرام کھانا ایک ہی چیز کے دو نام بن گئے ہیں اس لئے اب بتائیں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مجبور ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بچنے کے لئے یہ عذر تھا کہ جب وہ حرام سے بچ ہی نہیں سکتے تو پھر جو مرضی کریں سب کچھ ٹھیک ہے۔ ان کو میں نے سمجھایا کہ جس دوست نے آپ سے سوال کیا ہے، ان کا اپنا نہیں تھا کسی دوست نے بات کی تھی پاکستان سے آیا تھا اور ان سے ملا تھا، ان کو میں نے سمجھایا کہ دیکھیں اگر انسان کا ضمیر گندہ نہ ہو تو ہر قسم کے حالات میں وہ پاک زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اب یہ درست ہے کہ ایک انسان تجارت میں جتنا بچنے کی کوشش کرے کسی نہ کسی جگہ اسے کچھ تھوڑا سا اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے بعض دفعہ کچھ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے جسے عامۃ الناس میں لوگ رشوت بھی کہتے ہیں حالانکہ بعض شرائط کے ساتھ وہ رشوت نہیں رہتی۔ مگر اس کے علاوہ اور بعض ایسی باتیں ہیں آپ اپنے دودھ دہی کی دکان کریں، دودھ میں پانی نہ ڈالیں اور اس کے باوجود منافع تھوڑا رکھتے ہوئے بھی آپ گزارہ کریں تو یہ کہہ دینا کہ دودھ میں پانی نہ ڈالیں تو تجارت نہیں چل سکتی کیونکہ سب دنیا دودھ میں پانی ڈالتی ہے یہ ہے ہی غلط کیونکہ دنیا جو پانی ڈالتی ہے اس سے باقی ساری دنیا جو انہی کی دنیا ہے بیزار بھی ہے اور اگر قسمت سے کوئی ایسا دودھ والا مل جائے جس پر آپ کو یقین ہو کہ یہ پانی نہیں ڈالتا تو آپ اس کو دگنی تگنی قیمت دے کر بھی اس سے وہ دودھ لیں گے۔ اس لئے یہ خیال کر لینا کہ ایسے لوگوں کی تجارت چلتی ہی نہیں جھوٹ ہے بالکل۔ بہت سے ایسے تجربے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ان لوگوں

کی تجارت نہ صرف چلتی ہے بلکہ باقی تجارتوں پہ غالب آجایا کرتی ہے۔قادیان میں ایسے فقیرانہ مزاج کے مہاجر تھے جو بڑے عزت والے خاندانوں سے وابستہ ،سید زادے اور بعض معزز پٹھان شہزادوں سے تعلق رکھنے والے قادیان آئے دودھ دہی کی دکان کھولی اور اتنا لوگ اُمڈ اُمڈ کر آتے تھے کیونکہ ان کی دیانت اور تقویٰ کی وجہ سے وہاں ہر چیز صاف ستھری اور خالص اور اس کے نتیجہ میں باقی دکانوں سے زیادہ مزے دار ملتی تھی۔تو اسی سے انہوں نے پھر جائیدادیں بنائیں ،اسی سے ان کی اولادیں بڑی بڑی تعلیم حاصل کر کے دنیا میں پھیل گئیں۔

تو دو طریق سے اللہ تعالیٰ تقویٰ کی زندگی بسر کرنے والوں کی مدد فرماتا ہے ایک تو یہ کہ اگر واقعۃً سچی دیانت ہو تو ایسی تجارتوں میں خدا برکت عطا فرما دیتا ہے اور جو اس تجربہ کو جانتے نہیں وہ دور بیٹھے ڈر کر ان باتوں سے ویسے ہی احتراز کر جاتے ہیں، پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور دوسرا آسمان سے لازماً برکتیں نازل ہوتی ہیں ۔ان کے اموال میں برکتیں پڑتی ہیں۔ان کے زندگی کے حالات میں،ان کی اولاد میں،ان کی صلاحیتوں میں،اور ان کی دین سے وابستگی اور وفا میں برکتیں پڑتی ہیں اور ایسے بچے پیچھے چھوڑ کے جاتے ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ دنیا میں بھی اعلیٰ ترقی حاصل کرتے ہیں اور دین میں بھی وہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں جو دیانت کی معمولی باتیں ہیں اب دودھ دہی کی دکان کیا ہوئی مگر دیکھو آپ حالات پر نظر ڈال کے دیکھیں ان کی اولادوں کا جائزہ لیں وہ دنیا میں پھیلی گئی ہیں۔وہ بڑی عزت اور عظمت سے یاد کئے جانے والے لوگ ہیں۔اب ان کا نام آپ کو تاریخ احمدیت میں ملے گا تو آپ کا سر جھکے گا ادب سے اور آپ میں سے اکثر کو شاید پتا ہی نہ ہو کہ وہ ایک دودھ کی دکان کرنے والا آدمی تھا۔کچھ کھیر بنانی سیکھ لی، کچھ دہی اچھی بنانی سیکھ لی اور اسی سے خدا تعالیٰ نے اس کے گھر کو برکتوں سے بھر دیا۔اب ہمارے ماٹا ہوتے تھے،ان کی اولاد دیکھیں خدا نے کیسی پھیلا دی ہے دنیا میں ،اور کتنی ان کو برکتیں دی ہیں وہ آلو چنے بیچنے والے تھے بس،مگر تھے دیانتدار۔

تو دیانت میں بہت سی برکتیں وابستہ ہیں جو فوری بعض دفعہ دکھائی نہیں دیتیں مگر ہوتی ضرور ہیں اور یہ سفر اس لئے ضروری ہے کہ انفرادی طور پر برکتوں کی خاطر نہیں خدا کی خاطر جب آپ دیانت اختیار کریں تو برکتیں ضرور ملتی ہیں۔مگر اگر یہ نہیں کریں گے تو ساری قوم لازماً بددیانت

ہو جائے گی اور جو قومیں بد دیانت ہو جائیں وہ ایک دوسرے کا خون پی رہی ہوتی ہیں اور دنیا سے ان کی تجارتیں بے سود بے معنی ہو کے رہ جاتی ہیں اور دنیا ان کو دھتکار دیتی ہے۔ اس لئے دن بدن ان کی روپے کی قیمتیں گرتی ہیں ان کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جاتے ہیں ان کی منڈیاں ہاتھ سے نکل جاتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوشحال ہیں کیونکہ ہر بے ایمان معاشرے میں وقتی طور پر خاندانوں کو خوشحالی ملتی ہے اور حکومتیں بدحال ہو جاتی ہیں کیونکہ ٹیکس نہیں جاتا ان کو۔ اب ٹیکس کی بات وہاں چلی تھی اسی سوال جواب میں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ یہ میں جانتا ہوں کہ اگر انسان کتنی بھی دیانتداری اختیار کرلے بعض ملکوں میں جب ٹیکس کی جگہ آئے گی تو وہاں ٹیکس والے مجبور کر دیں گے بد دیانتی پر اور بد دیانتی پر مجبور کریں گے اور ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ یا وہ اپنی جائز آمد سے بہت بڑھ کر ٹیکس ادا کرے اور تجارت کا ایک دم صفایا ہوتا چلا جائے یا پھر بد دیانتی میں ملوث ہو جائے۔ میں نے کہا اس سے بھی بچنے کی راہ ہے کیونکہ ایسے لوگ جانتے ہیں کہ جب وہ ایک ٹیکس والے کو پیسے دیتے ہیں تو محض اس لئے نہیں دیتے کہ ان کا جائز ٹیکس لگے وہ پھر اپنا جائز ٹیکس بھی بچاتے ہیں اور ناجائز فائدے اور بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ تو انسان اگر تقویٰ سے بچنا چاہے تو بچ سکتا ہے۔ ان سے کہے کہ تمہارا منہ جو بھرنا ہے وہ مجھے بتاؤ اپنے منافع میں سے بھرنا پڑے گا نسبتاً منافع کم ہو جائے گا اگر دیانتداری پر قائم رہے اور اپنے منافع سے اس ظالم کا منہ بھرتا ہے تو میں جانتا ہوں کہ خدا ایسی تجارت کو بے برکت نہیں کیا کرتا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ غیر معمولی حالات پیدا کر دیتا ہے اور ایسا تاجر بچ جاتا ہے اگر بچنے کی خواہش ہو۔

یہ باتیں میں باہر بیٹھا نہیں کر رہا مجھے تجارت کی دنیا کی خبر نہیں ہے میں دور سے دیکھ کر ایک فرضی ہدایتیں دے رہا ہوں۔ جماعت احمدیہ کی بعض تجارتوں میں خلیفۃ المسیح نے مجھے نہ صرف ڈائریکٹر مقرر فرمایا بلکہ ایسا اختیار دیا کہ گویا میرا مشورہ جو تھا وہ حاوی تھا باقی سب مشوروں پر اور کاٹن کی تجارت تھی بعض دوسری چیزیں ایسی تھیں۔ اس حال میں ہم نے شروع کیا کہ بہت ہی برا حال ہو چکا تھا سب کچھ بکنے کو تیار تھا لیکن خدا نے سہارے دئے اور ہر مشکل کے وقت مدد فرمائی صرف فیصلہ یہ تھا کہ ہم جس حد تک ممکن ہے دیانتداری سے کام کریں گے اور اگر کسی محکمے سے اس قسم کا رابطہ کرنا پڑتا ہے تو بعض ایسے آدمی تھے جو اس بات کے ماہر تھے ان کے ذریعے رابطہ کرنا پڑتا تھا لیکن

ہدایت ہماری یہ تھی کہ ایک دمڑی بھی حکومت کی یا ملکی دولت کی ہم اپنے لئے نہیں لیں گے۔ صرف ہمیں امن سے کام کرنے دیں اور خدا نے برکت ڈالی۔

سود سے کہتے ہیں، سود سے کیسے بچو گے؟ یہ ٹھیک ہے کہ بسا اوقات انسان نہیں بچ سکتا، لیکن اگر ارادہ ہو، نیت ہو اور اخلاص ہو اور دعا ہو تو بچ بھی سکتا ہے۔ ہمارے ایک کاروبار میں مسلم کمرشل بینک سے واسطہ تھا اور کاٹن کے یعنی اس روئی کے کاروبار میں بہت بڑے قرضے لازماً اٹھانے پڑتے ہیں اور ان قرضوں کے بغیر وہ کاروبار چل ہی نہیں سکتے کیونکہ عام جو کارخانے دار ہیں یا جننگ فیکٹریوں کے مالک ہیں ان کے پاس اتنا سرمایہ تو ہوتا ہی نہیں کہ وہ بڑی قیمت دے کر وہ زمینداروں کو ان کی کاٹن کی قیمت پہلے ادا کر دیں۔ بہت سی مجبوریاں ہیں، قرضے لینے پڑتے ہیں۔ اب میرے دل پہ یہ بڑا گراں تھا اور میں نے دعا بھی کی۔ میں نے کہا اللہ میاں جماعت احمدیہ کی فیکٹری ہے ہم نمونہ بننا چاہتے ہیں، ہمیں بچا اس مصیبت سے اور ایک دوست کے تعارف سے مسلم کمرشل بینک کے جو جنرل مینجر بلکہ پریذیڈنٹ تھے ان سے ملا اور ان سے میں نے کہا کہ دیکھیں اتنے لاکھ قرضہ آپ سے لینا چاہتے ہیں لیکن سود نہیں دینا۔ اب وہ بہت ذہین آدمی تھے اور بڑے حوصلے والے انسان تھے۔ اب خدا نے واسطہ بھی ایسے شخص سے ڈالا جس میں یہ طاقت تھی اس بات کو سننے اور سمجھنے کی۔ تو تھوڑا سا تعجب ہوا۔ وہ کہتے ہیں اچھا اب بتائیں کیا بات ہے۔ میں نے کہا ہمارا دین ہمیں اجازت نہیں دیتا اور تجارت مجبور کرتی ہے لیکن ایک بات ہے کہ آپ کمرشل ادارے ہیں، آپ کا کاروبار ہی منافع پر ہے اس کا مجھے احساس ہے۔ مگر یہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جیسا کہ ہمیں ہمیشہ منافع ہوتا ہے اگر منافع ہوا تو ہم آپ کو جتنا سود دیتے ہیں اس سے زیادہ پیسہ تحفۃً دیں گے، شرط نہیں ہے، کوئی اس کا تناسب مقرر نہیں کرنا۔ تو مجھے دیکھ کے انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے منظور ہے اور جس بینک کے آفیسر کی طرف انہوں نے حوالہ دیا ان سے نچلا وہ بھی بہت بڑا اونچے مقام کا افسر تھا وہ حیران رہ گیا۔ اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا ہو گیا تم جا کے پوچھو اور اس کے بعد پھر میں بھی ان کی موجودگی میں الگ ان سے ملا اور ان سے میں نے بھی یہی سوال کیا کہ آپ مجھے یہ بتائیں کام تو آپ نے کر دیا ہے۔ اتنا بڑا فیصلہ جو آپ کے سارے حصہ داروں کے سامنے بہت ہی ایک نا قابل قبول حالت پیش کرتا ہے۔ اس نے کہا بات یہ ہے، میں ابھی بتاتا ہوں میرے فیصلے میں راز کیا

ہے۔ کہتے ہیں میں نے اپنے تجربے سے مردم شناس ضرور ہوں اور میرا یہ تجربہ ہے کہ بے ایمان لوگ کاغذ بڑے بھر کے لاتے ہیں اور کاغذوں کے منہ پکے کر لیتے ہیں اور جتنے مرضی پکے کاغذات ہوں دھوکہ دے جاتے ہیں لیکن اگر آدمی دیانتدار ہو تو وہ دھوکہ نہیں دے گا۔ میں نے تو آپ کو دیکھا مجھے یہ پتا لگ گیا کہ ہے دیانتدار اور اس لئے میں نے آپ سے کاغذ بھی نہیں مانگے، فیکٹری کے کاغذ نہیں مانگے کہ رکھواؤ اس کے مقابل پر۔ مجھے پتا تھا اور میں اپنے اس فیصلے پر ایسا اعتماد رکھتا ہوں کہ اس اعتماد کی خاطر مجھے پتا تھا کبھی غلطی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔ مسلسل اس بینک نے ہمیں بغیر سود کے قرضہ دیا ہے اور مسلسل ہمارے اوپر پورا اعتماد کیا اگر ہمارا منافع کم ہوا تو ہم نے کچھ کم تحفہ دیا، زیادہ ہوا تو زیادہ خوشی سے قبول کیا مگر سودی کاروبار پھر نہیں ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ کفیل بن جاتا ہے، رستے نکال لیتا ہے۔ اس لئے یہ بہانے نہ بناؤ کہ ہم بد دیانتی پہ مجبور ہیں۔ ہر احمدی مسلمان کو بد دیانتی کے خلاف مستعد ہو جانا چاہئے۔ جو روزمرہ کے اپنے اموال میں بد دیانتی نہیں کرے گا اس کے بھائی کو بھی پھر اس سے خطرہ نہیں ہوگا۔ آج جو بعض شکایتیں آتی ہیں اور بڑی بھاری تعداد شکایتوں کی وہ ہے جو مالی لین دین کی خرابی سے تعلق رکھتی ہے ان سے جماعت کو نجات ملے گی اور اگر ایک انسان اپنے ذاتی معاملات میں جو عام تجارتی کاروبار ہیں ان میں دیانتداری کے لئے محنت کرتا ہے تو نفسیاتی لحاظ سے اس کے لئے ناممکن ہے کہ حیلے تراش کر، کسی بھائی کے پیسے پر نظر رکھ کر اسے دھوکہ دینے کی کوشش کرے۔

تو اس اعلیٰ معیار تقویٰ پر قائم ہوں تو جماعت کو بہت سے جھمیلوں سے نجات ملے گی اور ایسی جماعت جو خدا کی خاطر تقویٰ پر اور دیانت پر قائم ہو اس کے اموال میں لازماً برکت دی جاتی ہے۔ آگے جو بڑے بڑے کام درپیش ہیں ان کے لئے آپ حیران ہو جائیں گے کس طرح خدا تعالیٰ غیب سے، اپنے فضل سے روپے مہیا کرتا چلا جائے گا جیسا کہ اب کر بھی رہا ہے مگر اپنی دیانت کی حفاظت کرنی ہوگی۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باقی اقتباس اور باقی حوالے انشاء اللہ اگلے جمعے میں پیش کروں گا۔ انشاء اللہ